فصل سوم

خاندان کی تباہی کے اثرات

اسلامی نظامِ زندگی کے خاندان پر فکری اثرات

خاندان کے ادارے کا استحکام اس میں موجود افراد کے آپس میں محبت بھرے تعلق میں مضمر ہے۔ اسلام نہ صرف ایک مذہب ہے بلکہ زندگی گزارنے کا سلیقہ اور طریقہ ہے۔ اسلام کا مطلب اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ کی سپردگی میں دے دینا اور اس کی رضا پہ راضی رہنا ہے۔ اللہ نے انسان کو اس زمین پر اپنی ہدایت اور اپنی خلافت کے ساتھ بھیجا اور اس نے ہماری فطرت میں یہ بات ودیعت کر دی کہ ہم زندگی ایک خاندان کے ساتھ گزاریں جس میں شوہر اور بیوی والدین اور بچے، بہن اور بھائی اور دیگر عزیز و اقارب کے قریبی دائرے میں کہ جس میں انسان اطمینان اور سکون اور تحفظ کی زندگی گزار سکے۔ خلافت کی ذمہ داریوں کو خاندان کا ادارہ آسان بناتا ہے اور صحیح نقطۂ نظر عطا کرتا ہے۔ خاندان ہمارے بچپن، ہماری جوانی اور ہمارے بڑھاپے کو خوشیوں سے بھر کر ہماری مدد کرتا ہے۔ اسلامی معاشرے میں ہر فرد اپنی معاشرتی ذمہ داری کو بخوبی ادا کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اسلامی معاشرے میں ابھی تک بڑے اہتمام کے ساتھ کفالت، بچوں کی پرورش، بزرگوں کی دیکھ بھال کا فریضہ انجام دیا جاتا ہے۔ ان فرائض کو ادا کرتے ہوئے اپنے رب کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اسلامی نظامِ زندگی کا اہم ترین ادارہ خاندان ہے جس کا مضبوط ڈھانچہ درج ذیل چار ستونوں پر قائم ہے۔

۱۔ گھر اور حوصلہ افزائی

۲۔ جنسی خواہش اور بچے

۳۔ ہمدردانہ احساس پہ مبنی خوبیاں

۴۔ پناہ گاہ[۱]

خاندانی استحکام کے نتائج

۱۔ مرد کو گھر کی طرف سے سکون ہوتا ہے اور وہ کسبِ معاش میں بے فکری اور سکون سے اپنا کردار ادا کر سکتا ہے۔

۲۔ عورت گھر میں موجود ہے وہ گھریلو امور حسن و خوبی سے انجام دیتی ہے۔ بچوں کی تربیت، ان کی نگہداشت اور پرورش مناسب طریقے سے ہو رہی ہے۔ عورت شوہر کی کمائی، اس اولاد اور اپنی عزت و عصمت (تینوں اشیاء کو) شوہر کی امانت سمجھ کر ان کا پورا تحفظ کرتی ہے۔

۳۔ گھر کے بوڑھوں کی مناسب دیکھ بھال ہوتی ہے۔

۴۔ معذوروں کا دوا دارو اور نگہداشت ہو رہی ہے۔

۵۔ مہمانوں کی خوب خاطر مدارات ہوتی ہے۔

۱۔ فاطمہ ھیرن، (ترجمہ) عبدالغفار احمد، لیکچر انٹرنیشنل اسلامک کانفرنس، ۳-۱۱/اپریل ۱۹۷۶ء، لندن

۶۔ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی ،سب کام مناسب انداز میں سرانجام پا رہے ہیں۔

عورت گھر میں ہو تو بچے تعلیمی اداروں اور اپنے گھروں میں مناسب تعلیم و تربیت پا کر اگلی نسل کو محفوظ، قابل اور با صلاحیت بنا رہے ہیں۔ اس طرح مرد، عورت اور بچے، تینوں کو ان کے حقوق مل رہے ہیں۔ وہ اپنے فرائض برضا و رغبت انجام دے رہے ہیں اور اس طرح معاشرہ مناسب انداز میں ترقی کی منزلیں طے کر رہا ہے۔

اگر یہ ترتیب الٹ دی جائے تو بقول اقبال:

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ خود کشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائیدار ہو گا

نئی مغربی معاشرت کی بنیاد درج ذیل امور پر رکھی گئی ہے۔

۱۔ مساواتِ مرد و زن
۲۔ عورتوں کو معاشی طور پر مضبوط و مستحکم کرنا۔
۳۔ مرد و زن کا آزادانہ اختلاط۔[۲]

خاندانی نظام کے ٹوٹنے کے اثرات

مغربی معاشرت کے یہ تینوں ستون خاندان کے ہر ایک فرد، مرد، عورت، بچے اور خود معاشرہ کے لیے تباہ کن ثابت ہوئے۔ مرد جنس اور شراب کے نشے میں صلاحیتوں سے عاری اور جسمانی و روحانی قوتوں سے تہی دست بن گئے۔

عورت کما تو رہی ہے مگر ایک طرف اپنی ماں کی قربانی دی، جو عورت کا اصل کردار تھا۔ دوسری طرف پیارے گھر سے محروم ہوئی جس کی وہ ملکہ تھی۔ تیسری طرف شرم و حیا اور عزت و عصمت سے محروم ہوئی جو اس کا اصل زیور تھا۔ چوتھی طرف وہ اس عزت و وقار اور احترام سے محروم ہوئی جو ماں، بہن، بیٹی اور بیوی ہونے کی صورت میں اس کا مقدر تھا۔ اب وہ جگہ جگہ معاش کے لیے دھکے کھا رہی ہے۔ مگر وہ اصل معاشی میدان میں نہیں پہنچ سکتی۔ کیونکہ وہ مردوں کے ہاتھ میں ہے اور مرد ہی اس کے لیے موزوں ہے۔ لہٰذا اب اس نے کمانے کے لیے شمعِ محفل بننا شروع کیا۔ (مثلاً ایئر ہوسٹس، نرس، ریسپشنٹ (Receptionist) ٹیلی فون آپریٹر، پرائیویٹ سیکرٹری) یا پھر سیکس ورکر بن کر کمانا شروع کیا۔ اب وہ حقِ تولید، حقِ فیصلہ، حقِ کمائی پا کر کیا مضبوط ہوتی جا رہی ہے یا پاتال کی گہرائیوں اور ذلت کی تاریکیوں میں ڈوبی جا رہی ہے؟

بدقسمت بچہ...... ماں کی شفقت سے محروم ...... کہ وہ کمانے گئی ہوئی ہے۔ بدقسمت بچہ...... باپ کی شفقت سے محروم ...... کہ اس کے پاس اپنے بچے کے لیے کوئی وقت اور فرصت نہیں۔

بیشتر مغربی بچے آج باپوں کے نام سے نا واقف ہیں۔ وہ اپنی شناخت تلاش کرنے میں ناکام ہو چکے ہیں۔ خاندان کی شکل میں ماں اور باپ دونوں کی توجہ کا مرکز ان کے بچے ہوتے ہیں۔ وہ انہی کی خاطر جیتے ہیں انہی کی خاطر محنت، کوشش اور جدوجہد کرتے ہیں۔ جبکہ مغربی بچے SMS، ٹی وی، کارٹون، ڈش، موبائل کے سہارے زندگی بسر کرنے لگتے ہیں۔ نشے میں مخمور...... لڑائی جھگڑے کے لیے ہر وقت تیار...... برداشت اور ضبط سے عاری...... اپنے ہی استاد، ماں اور

۲۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، پردہ، ص ۲۵

بہن اور دوست پر گولی چلانے سے نہیں چوکتے۔ کسی بھی عزیز پیارے کو محض تجربہ کرتے ہوئے اگلے جہان پہنچا دیتے ہیں۔ اور جرائم کے رسیا بنتے جاتے ہیں۔

جس معاشرے کے یہ تینوں اجزاء درہم برہم ہوں وہ کیا خاک ترقی کرے گا بلکہ ترقی معکوس کی مثال پیش کرے گا۔ بچے ماں کے ہاتھوں ذبح ہو رہے ہوتے ہیں کہ وہ ان کو اپنے آرام میں یا جاب میں رکاوٹ سمجھتی ہے۔ عورتیں مردوں کے ہاتھوں پٹ رہی ہیں کہ مرد عورت سے جسمانی طور پر زیادہ طاقتور ہیں اور وہ عورت کی آزادی کو برداشت نہیں کر سکتے۔ مرد اپنی ذمہ داریاں اس لیے ادا نہیں کر سکتے، کہ وہ گھر میں مناسب توجہ نہ ملنے کی وجہ سے ذہنی سکون سے محروم ہیں۔ اس طرح معاشرہ تمدنی، معاشرتی اور معاشی سب پہلوؤں سے تباہی و بربادی کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ جس کا ہر فرد اپنی اصل جگہ و مقام سے اٹھا کر کھلے میدان میں تباہی کے لیے پٹخ دیا گیا ہے۔

آج مغرب میں خاندانی نظام کے زوال و انہدام کے منفی نتائج کی ساری علامتیں واضح طور پر نظر آ رہی ہیں۔ خاندانی نظام میں ضعف اور اس کے بتدریج انہدام کی متعدد صورتیں ہیں۔ پہلا مرحلہ خاندان کا سکڑ کر دو افراد یعنی میاں بیوی یا زیادہ سے زیادہ بچوں تک محدود ہو جانا ہے۔ مغرب میں خاندان سکڑ کر پہلے Nuclear Faimly یعنی میاں بیوی اور ایک دو بچوں میں ڈھلا اور اب زوال کے اگلے مرحلے میں Single Parent Faimly کی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ زوجین شادی کرتے ہیں۔ نہ چاہتے ہوئے بھی ایک دو بچے پیدا ہو جاتے ہیں۔ بہت جلد ایک دوسرے سے اُکتا کر علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں۔ بچے ماں کے پاس رہیں یا باپ کے پلّے پڑیں، ان کو ماں باپ میں سے کسی ایک ہی کا تعلق میسر آتا ہے۔

عیسائیت میں جنسی شہوت کی تسکین ایک بنیادی گناہ کا درجہ رکھتا تھا۔ بس بچے پیدا کرنے اور نسل کشی (Procreation) ہی کے لیے اس کو گوارا کیا جاتا تھا۔ اب بچے پیدا کرنا بجائے خود ایک ناگوار بوجھ بن گیا ہے۔ شہوانی جذبوں کی تسکین کے لیے شادی کے جھنجٹ میں پڑنے کے بجائے Cohabitation یعنی قانونی اور مذہبی طور پر رشتۂ نکاح میں بندھے بغیر ایک گھر میں میاں بیوی کی حیثیت میں اکٹھے رہنے کی روایت جڑ پکڑ رہی ہے۔ ماں باپ دونوں ہوں اور بچوں کو پیار محبت اور ماں باپ کا قرب اور شفقت میسر نہ آئے، یا دونوں میں سے کسی ایک کی سپردگی میں ہوں اور ماں یا باپ میں سے کسی ایک کی توجہ، سرپرستی اور پیار سے مستقل محرومی دیکھنی پڑ رہی ہو یا جن کے ہاں ولادت ہوئی ہو وہ قانون اور مذہب کی رو سے میاں بیوی نہ ہوں اور دونوں ہی بچوں کے بوجھ سے فرار اختیار کر رہے ہوں، ہر حال میں بچے مظلوم، محروم اور جذباتی اور ذہنی طور پر تباہی سے دوچار ہوتے ہیں۔

British Social Attitude (BSA) کی رپورٹیں ہوں یا سماجی سائنس کے دیگر ماہرین کے جائزے، سب یہ بتاتے ہیں کہ خاندانی ٹوٹ پھوٹ کا شکار گھرانوں کے بچوں میں سے ۷۵ فیصد امتحانوں میں فیل ہو رہے ہیں اور ۷۰ فیصد کے بارے میں امکان ہوتا ہے کہ وہ منشیات کے عادی ہو جائیں گے۔ رپورٹیں غماز ہیں کہ بچے ہی نہیں خود بڑے بھی خاندان کے زوال کی قیمت چکا رہے ہیں۔ شکستہ خاندانوں کے بچے تنہائیوں کی مار کھا رہے ہیں، پیار سے محرومی کا سامنا کر رہے ہیں اور جذباتی، ذہنی بلکہ جسمانی طور پر بھی سخت اذیت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ مادہ پرستی اور دولت کی دوڑ اور ضروریات سے ذرا اوپر سہولیات بلکہ تعیّشات کی طلب میں کولہو کے بیل کی طرح جتے ہوئے مرد اور عورتیں، میاں بیوی ہوتے

ہوئے بھی علیحدگی میں زندگی گزار رہے ہیں اور بچوں کے پاس آوارگی، انٹرنیٹ اور نشے کے سوا دل بہلانے کے لیے کچھ نہیں بچتا۔ یہی ان کی زندگی برباد اور مستقبل تاریک کرنے والے عوامل ہیں، ٹھیک یہی روش ہمارے ہاں چل پڑی ہے۔''[۴]

گو کہ ہمارے ہاں خاندانی نظام کا زوال بھی ابتدائی حالت میں ہے لیکن وہ سب کچھ نظروں کے سامنے آ رہا ہے جو مغرب میں خاندان کے ادارے کے انہدام کے نتائج کے طور پر ہم دیکھتے، سنتے اور پڑھتے آ رہے ہیں۔ خاندان کے بڑے دائرے نے سکڑنا شروع کر دیا ہے۔ شادی شدہ جوڑے بزرگوں کے سائے سے باہر رہ کر زیادہ خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اب تو بیٹیوں کے رشتے دیتے وقت یہ تسلی کر لی جاتی ہے کہ لڑکے کا خاندان مختصر اور بہن بھائیوں کی تعداد کم ہے۔ ہمارے ہاں بھی Nuclear Family کی ابتدا ہو گئی ہے۔ ایسے کتنے ہی گھرانے میری نظر میں ہیں جہاں شوہر کی اچھی بھلی آمدنی ہونے کے باوجود خاتون خانہ ملازمت کر رہی ہے اور بچوں کی دیکھ بھال کے لیے نوکرانی رکھ لی گئی ہے۔ ایک محتاط جائزہ بتاتا ہے کہ Housemaid کی نگرانی میں پروان چڑھنے والے بچے نفسیاتی صحت کے لحاظ سے ان بچوں سے کمزور ہوتے ہیں جن کی دیکھ بھال ان کی مائیں خود کرتی ہیں۔ وہ ذہین ہونے کے باوجود بھول جانے اور توجہ بٹ جانے کا شکار نظر آتے ہیں۔ کھوئے کھوئے سے اور بُجھے بُجھے سے رہتے ہیں۔

تقریباً ڈیڑھ صدی تک مغربی تہذیب کا جھنڈا اُٹھائے رکھنے اور اس تہذیب کو غالب کرنے والا برطانیہ آج خاندانی ادارے کے زوال کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ دس سال پہلے علیحدگی اختیار کر کے اکیلے زندگی گزارنے والے باپوں یا ماؤں کی تعداد میں بے تحاشا اضافہ ہو گیا ہے۔ تازہ ترین جائزے بتاتے ہیں کہ یہاں چھوٹے بڑے جرائم کا ارتکاب کرنے والے بچوں میں ۷۰ فیصد وہ ہیں جو خاندانی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے والے گھروں سے تعلق رکھتے ہیں۔ روزانہ پچاس ہزار طلبہ اپنی کلاسوں سے بھاگ جاتے ہیں اور صرف لندن میں ایک سال میں ہونے والے چھیالیس ہزار آٹھ سو جرائم انہی اسکولوں سے بھاگے ہوئے بچوں نے کیے۔

۴۔ منیر احمد خلیلی، خاندانی نظام خطرات کی زد میں۔ ایک سوالنامے کے جواب میں، اگست ۲۰۰۹ء

بچوں پر خاندان کی تباہی کے اثرات

ویسے تو خاندان کی اس بنیادی اکائی میں بگاڑ پیدا ہونے سے میاں بیوی اور اولاد سب پر اس کے اثرات پڑتے ہیں، مگر سب سے زیادہ نقصان بچوں کا ہوتا ہے، جو مستقبل کے معمار ہیں۔ اس سے خود بخود یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ جس معاشرے میں خاندان کا ادارہ قائم نہ رہ سکے اس سے بھلائی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ ہم ذیل میں بچوں پر خاندان کی تباہی کے اثرات کا ایک جائزہ پیش کریں گے۔

ماں کی ملازمت اور بچوں کی ذہنی قابلیت

فل ٹائم کام کرنے والی ماؤں کے بچے سکول میں بہت بری کارکردگی دکھاتے ہیں۔

کولمبیا ٹیچرز کالج کے جین بروکس، گن کہتے ہیں کہ حکومت کو چاہیے کہ وہ مزید دوستانہ فیملی ایمپلائمنٹ پالیسی اپنائے جس میں پارٹ ٹائم کام لچکدار کام کا وقت اور لمبی زچگی کی چھٹیاں ہوں۔

چائلڈ ڈیویلپمنٹ میگزین میں ایک تحقیقی تجزیہ شائع ہوا ہے جس میں تمام تر حقائق نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف چائلڈ ہیلتھ اور ہیومن ڈیویلپمنٹ کی طرف سے جاری کردہ ہیں جس میں ۳ سالوں میں دس شہروں سے تعلق رکھنے والی ایک ہزار ماؤں کا سروے کیا گیا اور ماؤں اور بچوں پر اثرات کے مطالعے کو مرتب کیا گیا۔ اس میں یہ حقیقت بتائی گئی ہے کہ ماں جتنی دیر زیادہ اپنے بچے کے پاس رہتی ہے۔اس کی ذہنی استعداد میں اُتنا ہی اضافہ ہوتا ہے اور جو بچے ڈے کیئر سنٹرز میں پلتے ہیں۔ وہ بے بصرے، غصیلے اور غلط رجحانات کی طرف زیادہ مائل ہونے والے ہوتے ہیں۔ ۵

۱۹۷۰ء میں پیدا ہونے والے لوگوں کی درس گاہ میں ترقی کے بارے میں بیان کیا ہے اور ان خاندانوں میں کم قابلیت دیکھی گئی ہے جن کی مائیں فل ٹائم کام کرنے لگیں جبکہ ان کے ان کے بچوں کی عمر پانچ سال سے بھی کم تھی۔

☆ جوزف رونٹری فاؤنڈیشن کے مطالعے کے مطابق جو کہ ۱۲۰۰ جوان لوگوں پر مشتمل تھی جہاں مائیں فل ٹائم کام کرنا شروع کردیتی ہیں ان کے بچے اے۔ لیول مشکل سے ہی پاس کر پاتے ہیں۔

☆ پری سکول میں پڑھنے والے بچوں اور ان کے والدین جو فل ٹائم کام کرتے ہیں اس میں بھی آپس میں تعلق موجود ہے جس کی وجہ سے نوجوانی میں ہی کافی سارے نفسیاتی مسائل بڑھ جاتے ہیں۔

اگرچہ باپ کے کام کے طریقے لوگوں کی کامیابی پر اثر انداز ہوتے ہیں مگر محققین یہ کہتے ہیں کہ ماں کی ملازمت اس سے زیادہ اثر ڈالتی ہے۔ لیکن جہاں ماں باپ پارٹ ٹائم کام کرتے ہیں وہاں اس قسم کے غلط اثرات کم دیکھنے میں آئے ہیں۔ چوٹی کے محققین فل ٹائم کام کرنے کے اس سوالیہ نشان کا جواب تلاش کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

☆ ایک ریسرچ کے مطابق جہاں ایک پری سکول کے بچے کی ماں ایک سال سے زیادہ اندازے کے مطابق ۱۸ ماہ کام کرتی ہے۔ وہاں اس بچے کا اے لیول پاس کرنے کا چانس ۱۲ فیصد کم ہو جاتا ہے اور بعد میں کام کاج سے دوری ۲ فیصد ہو جاتی ہے اور جب فل ٹائم کام کرنے والی ماؤں کے بچے جوان ہوتے ہیں تو ان میں پریشانی لاحق

۵ Tamar Lewin: Study Links Working Mothers to Slower Learning, New York Times, July 17, 2002

ہونے کے خطرات بڑھ جاتے ہیں۔

ان ماؤں کے بچے جو پارٹ ٹائم کام کرتی ہیں ان کے اے لیول میں کامیابی کے چانس ۶ فیصد کم ہو جاتے ہیں۔ لیکن نفسیاتی مسائل میں بھی ۲ فیصد تک کمی آجاتی ہے۔

یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ روزگار کی پالیسی جس طرح ماں باپ کی چھٹیوں اور زچگی کے دوران چھٹیوں کی بہت حد تک حمایت ہوتی ہے۔ ماں باپ کا زیادہ تر اپنے بچوں کے ساتھ وقت گزارنا کل کے ان معماروں کے لیے بہت بہتر ثابت ہوتا ہے۔

بچوں پر تشدد اوران کی تربیت سے غفلت

یہ بات طے ہے کہ لاکھوں بچے بدسلوکی کا شکار ہونے والے بچوں میں شامل ہیں اس سلسلے میں کام کرنے والے لوگ اس بات کے لیے پر امید ہیں کہ بچوں کے لیے تحفظ فراہم کر کے ان کو بدسلوکی اور نظر انداز ہونے سے بچایا جا سکتا ہے۔ اس قسم کی کوششیں بہت ضروری ہیں کیونکہ بچوں پر تشدد اور ان کو نظر انداز کرنا بچوں پر بہت بُرا اثر ڈالتا ہے۔ بُرے اثرات بچوں پر جسمانی، جذباتی، معاشرتی مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ بہت سارے بچوں کے لیے یہ اثرات بچپن سے بلوغت اور جوانی تک قائم رہتے ہیں۔

جو بچے بُرے سلوک اور نظر اندازی کا شکار ہوتے ہیں وہ اس طرح کے ہوتے ہیں:

۱۔ خراب ذہنی اور جذباتی صحت: ڈیپریشن، کھانے پینے میں مسئلہ، تھکاوٹ اور سستی، خودکشی

۲۔ خراب جسمانی حالت: دیر تک رہنے والی تھکاوٹ، بہت زیادہ پریشانی، جنسی بیماریاں، موٹاپا۔

۳۔ معاشرتی مشکلات: خیال رکھنے والے لوگوں سے دوری، جو کہ بعد میں اعتبار کے رشتے قائم کرنے میں مشکلات کا سبب بنتا ہے۔

۴۔ قوتِ ادراک میں خرابی: توجہ مرکوز کرنے میں مسئلہ، اُلٹے سیدھے خیالات، بات چیت کرنے میں مسئلہ، مسائل کو حل کرنے کی قابلیت میں کمی، جو کہ بعد میں پڑھنے لکھنے میں کامیابی اور سکول کی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ صحت پر خراب اثرات زیادہ تعداد میں جوان جنس پرست ساتھی، شراب نوشی۔

۵۔ رویہ میں تبدیلی: غصہ، مار پیٹ، برداشت، بڑوں کی طرح مجرمانہ طرز عمل، کم سنی میں جرم کرنا۔

بچوں پر تشدد کی صورت میں اخراجات کا ایک جائزہ[۶]

Total Estimate Cost of Child Abuse & Neglect in U.S.A

۶۔ یہ اعداد و شمار درج ذیل ذرائع سے لیے گئے ہیں:

Ching Tuny Wang. John Holton Total Estimated Cost of Child Abuse in US Report 2007 Prevent Child Abuse America. The Pew Charitable Trusts.;Bureau of Economic Analysis, U.S. Department of Commerce, Natioinal Income and Products Accounts (NIPS) Table 1.1.4. Price Indexes for Gross Domestic Product. Retrieved September 4, 2007 from http://www. bea. gov/national/nipaweb/ Table view.asp? Selected Table=4& First Year 2005 & Last Year 2007 & Freq=Qtr.;Child Welfare Information Gateway (2006). =

بچوں پر تشدد اور غفلت کے اثرات کے ردعمل پر جو اخراجات آتے ہیں وہ ان کا نشانہ بننے والے خاندان اور اس کے علاوہ سوسائٹی بھی برداشت کرتی ہے۔

ان مختصر جگہوں پر دو حصوں میں خرچ کرنا پڑتا ہے۔

۱۔ Direct Cost یہ وہ اخراجات ہیں جو فوری طور پر بچے پر تشدد اور غفلت کے وقت خرچ ہوتے ہیں۔

۲۔ Indirect Cost یہ اخراجات طبعی مدت کے لیے ہوتے ہیں اور بچے پر تشدد اور غفلت ہونے کے بعد خرچ کیے جاتے ہیں۔ بچوں پر تشدد کے سالانہ اخراجات 103.8 بلین ڈالرز ہیں۔

نو عمر بچوں پر تشدد

۱۹۹۵ء میں بچوں کی تحفظ کے ادارے نے ایک لاکھ چھبیس ہزار بچوں کے اعداد و شمار جاری کیے تھے جو کہ جسمانی تشدد کا شکار ہوئے تھے۔ ان میں ۷۵ فیصد لڑکیاں تھیں اور تقریباً ۳۰ فیصد تشدد کا شکار بچوں کی عمریں چار سے ساتھ سال کے درمیان تھیں ۷۔

جنسی تشدد کا شکار نو عمر بچوں میں اندازاً ایک تہائی وہ بچے ہیں جن کی عمر ۶ سال سے کم ہے۔ ۸

محکمہ انصاف کے اعداد و شمار کے مطابق ۲ میں سے ایک زیادتی کا شکار ہونے والا ۱۶ سال سے کم اور ہر ۶ میں سے ایک ۱۲ سال سے کم عمر ہوتا ہے۔ ۹

=Long-term Consequences of child abuse and http://www. childwelfare. gov/pubs/factsheets/long term consequences.cfm; Daro, D. (1988). Confronting child abuse: Research for effective program design. New York: Free Press.;Fromm, S. (2001). Total estimated cost of child abuse and neglect in the United States: Statistical evidence. Chicago, IL:Prevent Child Abuse America. Retrieved September 4, 2007 from.;http://member.preventchildabuse.org .site/DocServer/cost analysis. pdf?docl D= 144;Goldman, J., Salus, M.K., Wolcott, D., & Kennedy, K.Y. (2003). A coordinated response to child abuse and neglect: The foundation for practice. Child Abuse and Neglect User Manual Series. Washington, DC: Government Printing Office. Retrieved January 29, 2007, from; http://www. childwelfare. gov/ pubs/ usermanuals/ foundation/ foundation.pdf.; Hagele, D.M. (2005). The impact of maltreatment on the developing child. North Carolina Medical Journal, 66, 356-359. Retrieved September 11, 2007 from http://www.ncmedicaljournal.com/sept-oct-05/Hagele.pddf.;Miller, R.M., Cohen, M.A., & Wiersema, B. (1996). Victim costs and consequences: A new look. The National Institute of Justice. Retrieved August 27, 2007 from ; http:// www.ncjrs. gov/ pdffiles/ victcost.pdf.; Sedlak, A.J., & Broadhurst, D.D. (1996). The third national incidence study of child abuse and neglect (NIS-3) U.S. Department of Health and Human Services. Washington. DC.

۷ Department of Health and Human Services, Administration for children and Families, Child Maltreatment, 1995.

۸ Violence and the Family Report of the American Psychological Association Presidential Task Froce on violence and the Family 1996. Child Rape Victims, 1992, U.S. Department of Justice.

۹ Child Rape Victims, 1992 U.S. Department of Justice

بچوں کی ذہنی اور نفسیاتی صحت پر اثرات

تقریباً 50 سالوں سے زائد عرصہ سے یہ سمجھا جار ہا ہے کہ خاندان کا ٹوٹنا ان عوامل اور خطرات کی بنیاد ہے جو کہ اکثر اوقات بچوں کو ان کے بچپن کے دنوں میں بچے کی ذہنی ونفسیاتی صحت پر اثرانداز ہوتے ہیں۔۱۰

یوکے میں اس بات کا تعین کیا گیا ہے کہ 28 فیصد (Quarter) بچوں کو 16 سال کی عمر میں ہی اپنے والدین کی ناراضگی کی وجہ سے علیحدگی اختیار کرنا پڑے گی۔۱۱

حکومت نے کہا ہے کہ یہ 12 ملین بچوں میں سے 3 ملین بچوں کو اس ملک میں اپنے والدین کے درمیان طلاق ہوتے ہوئے دیکھنا پڑے گا۔۱۲

England اور Wales میں 15 ہزار بچوں میں سے (2/3) سے زیادہ والدین کے درمیان طلاق واقع ہوتی ہے۔

ان صفحات سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ حکومت کا یہ فرض بنتا ہے کہ اس قسم کے بڑھتے ہوئے واقعات کے لیے باقاعدہ قانون سازی کرے۔ کیونکہ اس ضمن میں جو بھی کچھ ہو رہا ہے وہ ناکافی اور ناقص ہے۔

نقصانات ہونے کے واقعات کے شواہد

جان پرائر اور برائن راجرز کی جوزف اومڑی فاؤنڈیشن کے لیے کی گئی تحقیق کے مطابق حاصل کی گئی اس تحقیق میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ والدین کے درمیان طلاق ہونے کی وجہ سے ان کے بچوں پر انتہائی منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہ تحقیق 1960ء میں کی گئی تھی۔۱۳

اس قسم کے حالات میں بچوں کو زندگی میں کس قسم کے حالات کا سامنا ہوتا ہے:

اس قسم کے حالات میں بچے منفی اثرات قبول کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر شراب نوشی، جنسیات، جوا، چوری چکاری وغیرہ کی طرف مائل ہوجاتے ہیں۔ ایسا عموماً زیادہ تر غربت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

۱۰۔ ۱۹۴۷ میں (ڈینگ جے) نے (ایک رپورٹ میں جو کہ) ازدواجی تعلقات پر مبنی تھی (Cmd 7024) جس کے مطابق کہا گیا ہے۔ ''طلاق کے وقت بچوں کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کا خیال رکھا جائے۔'' اب اس جگہ پر (In s 41 of the Martimonial Causes Act 1973) شادی اور طلاق پر رائل کمیشن (۱۹۵۶) ۹۶۷۸ سی یوڈی پیرا: ۳۷۲ جو رائل کمیشن کی طرف سے ایک پیشکش کے مطابق مذاکرات کے لیے طے ہے۔

۱۱ J.Pryors and B.Rodger, Douglas et al , (Safe guauding Children ,Welfare , in non Continous divorce towards a new Conception of the legal process? (2000) MLR 177)

۱۲ HM.Governent,parental seperation :Childrens needs and parents, responsibilites Next steps.Report responses to consultation and agenda for action,CM 6452(Jan-2005,P-1)

۱۳ J.Pryor.B.Rodger (Children in Changing families Life after parental seperation (2001.Blackwell- publishing .)

ہمیں بچوں کی سوچ سے کیا سیکھنے کو ملتا ہے؟

ریسرچ کے مطابق اگر ہم نے بچوں کو سمجھنا ہے تو والدین کی تربیت کے اثرات پر ہمیں غور کرنا ہوگا۔اور ہمیں یہ جاننا ہوگا کہ 'بچے' کے اندر کون سے صلاحیتیں موجود ہیں جن کا اجاگر کرنا ضروری ہے۔اس بات کا اندازہ بچے کی عمر اور پختگی دیکھ کر لگایا جاسکتا ہے۔[۱۴]

Art 12 بننے کے بعد بچوں کے حقوق کے سلسلے میں آواز بلند کی گئی اور ان کے مسائل خود ان کی زبانی پوچھے گئے۔اس سلسلے میں ایک پرچہ بھی شائع کیا جانے لگا اور یہ پرچہ کارڈف یونیورسٹی کے طالب علموں اور اساتذہ کی شب وروز کی محنت کا نتیجہ تھا۔انہوں نے اس سلسلے میں 104 بچے جن کی عمریں 8اور15 سال کی تھیں انٹرویو کیے اور ان سے ان کے والدین اور ان کے درمیان علیحدگی کے بارے میں سوالات پوچھے۔اس سے ان لوگوں نے یہ اندازہ لگایا کہ بچوں اور ان کے بڑوں کے درمیان کافی باتوں میں تضاد ہے۔[۱۵]

ان میں سے 29 فیصد بچوں نے یہ کہا کہ طلاق سے پہلے ان کو اس سلسلے میں کچھ بھی معلوم نہ تھا۔بحر حال، ۷۱ فیصد نے سوالات کے دوران کہا کہ انہیں پہلے بتا دیا گیا تھا۔[۱۶]

102 بچوں میں سے 57 فیصد نے کہا کسی نے بھی ہمیں علیحدگی کے بارے میں بتانے کی کوشش نہیں کی اور ان میں سے 64 فیصد نے کہا کہ ان سے اس بارے میں ان کی کوئی رائے نہیں لی گئی۔ایک لڑکی نے اپنے تاثرات بتاتے ہوئے کہا کہ علیحدگی کے موقع پر اس کے والدین نے اس سے کہا:

''یہ ایسے تھا'' (اوہ اچھا) یہ حقیقت میں تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔اور تم کو اس کی وجہ سے کوئی نقصان نہیں ہے۔اور اس کو نظر انداز کر دیا۔وہ صرف اپنی ذات میں مگن تھے۔[۱۷]

زیادہ تر بچے ایسے واقعات سے خوش نہیں ہوتے۔وہ خود بھی اچھے دوستوں سے محروم ہوجاتے ہیں۔ 201 بچوں کے مطابق صرف 44فیصد نے بتایا وہ رہایش کی وجہ سے اپنے والدین سے منسلک ہیں۔48فیصد نے کہا کہ ان سے کہا گیا کہ وہ ہم سے تعلق میں رہیں اور24 فیصد نے کہا کہ ہم سے رابطہ کرتے رہیں۔[۱۸]

ایک لڑکی نے بتایا اس کی ماں نے اسے کہا کہ تم ہفتے میں ایک دن ہمارے ساتھ رہ سکتی ہو۔تا کہ تم سکول بھی جاسکو

---

[۱۴] The impact of the family resolution (guild ford, NewYork, 1994)B.Neale

[۱۵] I.Butler et al, divorcing children (2003 Jassica kingsley Publishing)Cmart,and A Wade, The changing experience of childhood families and divorce (2001, polity press). Judey dunn and Kirby deater- deckard, (childrens view of their changing families.2001 Joseph Rowntree foundation.)
Child reporting whther parents told about Parent reporting whether parents told child about separation(n-99) Separation (N-103)Yes 73 (71%)
Yes (98%)) No.30(19%)No1.(1%

[۱۶] Re W (S minor) Residence order) (1992) 2 FIR 332.CA-

[۱۷] CSmart et al Residence & contact disputes in court Vor:1(Research Series 6/03 (DCA). 2003 at 16.

[۱۸] 1996 2 FLr 314 at 328.

اور ایک دن تم اپنے باپ کے ساتھ کام پر جاؤ گی۔ اس طرح سے تم ہمارے ساتھ تعلق رکھ سکتی ہو۔ ہمیں اس طرح چلنا پڑتا ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ان معاملات میں بچوں کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے۔۱۹

سوالات

سوال: سب سے زیادہ مشکل کیا تھا؟

جواب: جب ہم سے یہ پوچھا گیا کہ (کس کے ساتھ رہنا پسند کرو گے؟) کیونکہ نہ میں اپنے 'باپ' کے احساسات مجروح کرنا چاہتا تھا اور نہ ہی اپنی 'ماں' کا اس لیے انتخاب کرنا سب سے زیادہ مشکل ثابت ہوا۔ (13 سالہ بچے کے مطابق)۔۲۰

آج کے دور میں اس کا ردعمل

مشتعل افراد، جو بچوں کے والد تھے، کی طرف سے ایک ریلی نکالی گئی اور اس ریلی میں اس قسم کے واقعات کے خلاف عملی اقدامات کی مخالفت کی گئی تھی۔ پارلیمنٹ کی طرف سے بنائے گئے قانون کے خلاف ان لوگوں نے نعرے بلند کیے اور یہ ظاہر کیا کہ وہ ان اقدامات سے بالکل خوش نہیں ہیں۔ اور اس قسم کے قانون کو ختم کر دینا چاہیے۔۲۱

یہ بات اہمیت کی حامل ہے کہ ایسے معاملات میں بچوں کو اپنے تحت کسی قسم کا فیصلہ کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ بچوں کے بیانات کے مطابق تمام فیصلے ان کے بڑوں کے تھے۔ یہ بات کوئی بھی دیکھ سکتا ہے کہ کورٹ کے فیصلے کے دوران بچوں کی اُنسیت اپنے ''باپ' کی طرف ہے یا پھر 'ماں' کے ساتھ، اور اس کے لیے (کورٹ آف اپیل) کی جانب سے واضح ہدایات موجود ہیں۔

گورنمنٹ کے اعداد و شمار کے مطابق 15 ہزار سے 20 ہزار کیسز ایسے ہیں جن میں والدین کے درمیان تعلقات ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکے ہیں اور ان میں سے 80 فیصد بچوں کی زندگیاں خراب ہو گئی ہیں۔

بچے اپنے والدین کے درمیان علیحدگی کے بعد کیا کرتے ہیں؟

والدین کی علیحدگی کے بعد ۵ فیصد کیسز میں وہ ثالثی کونسل سے مدد حاصل کرتے ہیں اور باقی ۱۰ فیصد کورٹ کی طرف چلے جاتے ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس میں سے ۱۰ فیصد خود ہی حل کر لیتے ہیں۔۲۲

قوانین میں تبدیلیاں

مختلف کمیٹیوں نے اپنی سفارشات پیش کیں تاکہ ان معاملات کے بارے میں صحیح رخ اختیار کیا جا سکے لیکن

---

۱۹ CSmart at 328

۲۰ CSmart & B.Neale (Arrangements against Virtue.) Must contact be enforced? (1997.FamLaw.33

۲۱ Re.L(A Child) Contact:(domestic violence.2001-Fam 260)

۲۲ Children Act Sub -Commitee ,A Report to the Lord Chancellor in the question of Parental Contact in Cases where there is Domestic Violence .(2000,Lord Chancellor) The definition kof (Harm) under the children Act 1989 has also been amended to include (Impairement the ill treatement of another: S 3169)

گورنمنٹ نے ان سفارشات کو ماننے سے انکار کردیا۔۲۳؎

ان معاملات کے سلسلے میں مختلف اداروں نے اس فیلڈ میں اپنے آپ کو منوایا (Fains) Family advice and Information Services اس کے علاوہ Cams اور Mediation کے نام سے ادارے قائم ہیں۔۲۴؎

☆ خدمات فراہم کرنا اور اس کے لیے مواقع پیدا کرنا۔۲۴؎

''ڈیوس اور مرش نے ۱۹۸۰ء میں دریافت کیا کہ وہ جوڑے جن کے درمیان طلاق واقع ہوئی وہ ایک قسم کی ان دیکھی زنجیر میں جکڑے جاتے ہیں۔ جب ان کو اس کے لیے کورٹ اور وکیلوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔۲۵؎

☆ بہرحال ان تمام معاملات کے باوجود والدین کا ایسے لوگوں اور اداروں سے اعتبار اٹھ گیا ہے۔ وہ ان سے خوش نہیں ہیں، خصوصاً جب ان کو اس کے لیے کورٹ اور وکیل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ والدین یا سرپرست والدین اس ضمن میں سہولتیں حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ Art 12 کے تحت کہا گیا ہے کہ ہم (بچے) کی آواز بلند کرتے ہیں۔ ہم اس کو آواز فراہم کرتے ہیں لیکن اس کے لیے بھی بچے اور اس کی عمر دیکھ کر ہم اس بات کا فیصلہ کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی ذہنی و جسمانی صحت کا ہونا بھی لازمی ہے۔۲۶؎

☆ ایک بچے کے تاثرات:

سوال: کیا کوئی تمہارے لیے کچھ کرسکتا ہے؟ ....یا............

جواب: شاید زیادہ لوگ یہ جانتے ہوں کہ طلاق کیا ہوتی ہے اور اس کے اثرات کتنے برے ہوتے ہیں تو وہ یہی کہیں گے کہ طلاق بہت بری چیز ہوتی ہے۔

سوال: کس قسم کے لوگوں کو یہ جاننا چاہیے؟

جواب: شاید زیادہ تر بچوں کو یہ جاننا چاہیے۔ بڑے لوگوں کو بچوں کے احساسات کی خبر نہیں ہو پاتی مگر ان کو بچوں کے احساسات کو سمجھنا چاہیے۔

سوال: کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی جوان آدمی ان کو سمجھے؟

جواب: کچھ تو یہ سمجھتے ہیں لیکن زیادہ تر صرف اپنے بارے میں سوچتے ہیں۔ بہرحال بہت سے بچے بالکل میرے جیسے ہیں جنہیں یہ پتہ ہی نہیں ہے کہ ان کو کیا کرنا چاہیے۔۲۷؎

۲۳؎ HM Government Parental Separation: Child neeeds and Parents responsibilities.(Cm 6273 (2004)Cm (Cm645-2005)

۲۳؎ Report from the joint Commitee on the draft children (contact) and (Adoption) bill (Cm5583) was published on 8th june 2005

۲۴؎ CSmart et al Opcit (2005) P28.

۲۵؎ G.Davis and Murcum Grants for divorce 1998.

۲۶؎ J walker et al, information in meetings and associated provision with in the family law act 1996.

۲۷؎ M.Murch et al Safeguarding childrens welfare in uncontinous divorce (LCDm1999research series 6/99)122 of the adoption and children act 2002.

بچے اور مادر پدر آزاد میڈیا

ایک نسل پہلے والدین جو کمرشلزم سے منسلک تھے زیادہ تر ٹیلی ویژن کی وجہ سے پریشان ہوتے تھے۔ آج بچے بھیDVDsویڈیو گیمز،ل انٹرنیٹ،MP3پلیئر اور cellphone کی وجہ سے ان کے اثرات میں گھرے ہوئے ہیں۔ مارکیٹنگ کی ایک دنیا ہے جس کی کوئی حد نہیں ہے۔ اپنے برانڈ کو بیچنے کے لیے کمپنیاں اسکولوں کے اندر بچوں کو ٹارگٹ کرتی ہیں اور اس وجہ سے کافی تعلقات بھی ٹوٹتے ہیں۔ کمپنیاں کافی حد تک بچوں پر انحصار کرتی ہیں تاکہ وہ ان کے لیے مارکیٹنگ کر سکیں۔ اس طرحAdvertisementپراڈکٹ سے زیادہ کبھی کبھی بچوں کو بھی بیچتی ہیں۔ مثال کے طور پر بچوں میں موٹاپا، کھانے پینے میں مسئلہ، آپس میں جھگڑا، جنسیات، خاندانی پریشانیاں، یہ سب بچپن کی کمرشلائزیشن سے منسلک ہے۔ ایک سوسائٹی ہونے کی حیثیت سے ہم ان کے بچوں کی صحت، حفاظت اور ان کی اچھائی کے لیے والدین کو ذمہ دار سمجھتے ہیں۔ لیکن ابھی تک ہم نے اُن کارپوریشن کو اس بات کا ذمہ دار نہیں سمجھا جو اس سلسلے میں اشتہارات پر اربوں روپے خرچ کرتی ہیں۔ ۲۸؎

بچے زیادہ تر مادہ پرستی کے تحت رہتے ہیں

☆ بچوں کی یہ نسل ہمیشہ زیادہ تر برانڈ کے بارے میں فکرمند رہتے ہیں۔ ۲۹؎

☆ آج کل کے نوجوان ایک ہفتے میں ہر ہفتے کے برانڈ کے بارے میں ۱۴۵ دفعہ تبادلہ خیال کرتے ہیں۔ ۳۰؎

☆ ۸ گریڈ میں ۴ گریڈ کے ۴۴ فیصد زیادہ تر دن میں خواب دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں۔ اور زیادہ تر امیر ہونے کے خواب دیکھتے ہیں۔ ۳۱؎

☆ آدھے سے زیادہ بچوں نے کہا وہ اگر ان کے پاس زیادہ پیسے ہوں تو وہ اپنے لیے خریداری کر کے خوش ہوں گے۔ وہ صرف اس ہی قسم کی نوکری کرنا چاہتے ہیں جہاں سے انہیں زیادہ پیسے ملتے ہوں۔ ۳۲؎

☆ والدین کے ایک سروے کے مطابق ۶۳ فیصد اس بات پر یقین کرتے ہیں کہ بچے اپنے آپ کو اس طرف پر ظاہر کرتے ہیں کہ جو کچھ بھی ان کے پاس ہے وہی سب کچھ ہے۔ ۳۳؎

۲۹؎ Kasser, T. (2005) Psychometric development of brief measures of frugality, generosity and materialism for use in children and adolescents. In: K. Moore & L.Lippman (Eds) Conceptualizing and Measuring Indicators of Positive Development: What do children need to flourish? New York: kKluwer/Plenum.P 357-373

۳۰؎ Bachmann Achenreiner, G. & Roedder John, D. (2003), The meaning of brand names to children: A developmental investigation. Journal of Consumer Psychology, 13 (3) 205-219

۳۱؎ Heim, K. (2007 Aug 6), Teen talk is, like totally branded. Brandweek. Retrieved August 8, 2008 from http://www.brandweek.com/bw/news/recent_display.jsp?vnu_content id=1003621840

۳۲؎ Stockwell, M. (2005), Childhood for sale: Consumer culture's bit for our kid. policy brief, Progressive Policy Institute, P: 14

۳۳؎ Nairn, A. Ormrod. J. & Bottomely, P (2007). Watching, wanting and well-being=

☆ بچے جو زیادہ مادہ پرست ہیں ایسے بچے ناخوش ہوتے ہیں زیادہ تر ڈپریشن کے شکار، عزت نفس میں کمی اور زیادہ Anxity کی شکایت کرتے ہیں۔۳۴؎

اس کے علاوہ فلاحی کاموں میں پیسے نہیں لگاتے اور اپنی عیاشی پر زیادہ پیسے خرچ کرتے ہیں اس کے علاوہ خوش طبع بھی بہت کم ہوتے ہیں۔۳۵؎

☆ بچوں کی مادہ پرستی ان کے میڈیا سے تعلق پر منحصر ہوتا ہے۔۳۶؎

☆ مارکیٹنگ کا زیادہ تر اثرPre Schools پر ہوتا ہے۔۳۷؎

☆ جو بچے TV چینلز شوق سے دیکھتے ہیں وہ ان بچوں سے زیادہ مادہ پرست ہوتے ہیں جو ان چیزوں میں دلچسپی نہیں لیتے۔۳۸؎

عورت پر خاندان کی تباہی کے اثرات

مغرب کے ٹوٹتے بکھرتے خاندانی نظام کا اندازہ اس مثال سے لگایا جاتا ہے جو کہ وہاں کی خاتون الزبتھ کی کہانی ہے۔

الزبتھ نے ہر سانس کے ساتھ قریب آتی ہوئی موت کو ایک ناگزیر حقیقت سمجھ لیا تھا اور اب وہ چاہتی تھی کہ اس کے پاس جتنا بھی وقت باقی ہے وہ اپنے خاندان خاص طور پر اپنے پوتے پوتیوں کے ساتھ گزارے۔ لیکن اسے یہ بھی علم تھا کہ اس کا بیٹا اب اس کا بوجھ اٹھانے کی بجائے اسے اولڈ ایج ہوم (بوڑھوں کی پناہ گاہ) میں داخل کروانے کا خواہش مند ہے، جس کا اظہار وہ چند روز قبل کر بھی چکا تھا۔ جب مستقبل بے وجود ہو جائے تو ماضی ہی وہ دریچہ رہ جاتا ہے جس سے گزر جانے والے ہر لمحے کو تصور میں زندہ کیا جا سکتا ہے۔

الزبتھ بھی بند کمرے میں آنکھیں موندے اس وقت کا تصور کر رہی تھی جب اس نے اپنی ساس کو اولڈ ایج ہوم بھجوایا تھا تا کہ اس کا گھر اس کے شوہر کی بوڑھی ماں کے 'جراثیم' سے پاک ہو اور آج وقت اپنے آپ کو پھر دہرا رہا تھا۔ اس کی بہو نے پہلے ہی اسے کہہ دیا تھا کہ الزبتھ کی بیماریوں سے اس کے پوتے پوتیوں کو 'خطرہ' ہے۔ اس کے جراثیم کی وجہ سے بچے کا باپ (یعنی الزبتھ کا بیٹا) پریشان ہے۔ اس لیے الزبتھ کو اب اولڈ ہوم میں رہنا ہوگا۔ الزبتھ نے اپنے بیٹے اور بہو کو سمجھایا۔ ان کے سامنے روتی رہی کہ میں بچوں سے دور رہ کر انہیں دیکھ لیا کروں گی۔ مگر اسے سختی سے منع کر دیا گیا تھا اور اب وہ اپنا پیارا گھر چھوڑ جانے پر مجبور تھی۔ الزبتھ بہت دکھی اور مایوس تھی لیکن جو کچھ وہ خود ماضی میں کرتی رہی تھی اس کے بعد وہ کیوں اُمید رکھ سکتی تھی کہ انجام بخیر ہوگا؟ اگر ابھی نہ سہی تو کچھ عرصے بعد یہ تو اس کے ساتھ ہونا ہی تھا۔ وہ بیمار تھی مگر اس کے پاس

=Exploring the links. London, UK. National Consumer Council, P5. Available at: http://www.ncc.org.uk/nccpdf/poldocs/NCC167rr_watching_wellbeing.pdf.

۳۴؎ Center for a New American Dream. (1999, July) New poll shows marketing Scho9r.J (2004) Born to Buy, New York: Scribner, P 167

۳۵؎ Schor, J (2004) Born to Buy, New York: Scribner, P 167

۳۶؎ Schor, J (2004) Born to Buy, New York: Scribner, P 167

۳۷؎ Schor, J (2004) Born to Buy, New York: Scribner, P 167

۳۸؎ Nairn, A, Ormord, J. & Bottomley, P (2007), P: 6

گھر چھوڑنے کے سوا کوئی راستہ نہ تھا۔۳۹؎

یہ مغرب کے خاندانی نظام کی وہ حقیقت ہے جو ایک معمول بن کر رہ گئی ہے مغربی معاشرے میں خاندان کا ادارہ بری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔شادیوں کی شرح میں کمی اور طلاق یافتہ جوڑوں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے جبکہ اولڈ ہومز مغرب کے سماجی نظام کا جزو بن چکے ہیں۔اس کے علاوہ اسقاط حمل، خواتین پر تشدد، جنسی زیادتی، خواتین اور مردوں کے درمیان سماجی عدم مساوات و جنسی امتیاز 'روشن خیالی' کا ایک 'خوشنما' منظر پیش کر رہے ہیں۔

ملازمت پیشہ خواتین کے بارے میں

Pew Research Center کی رپورٹ کا تجزیہ:

pew Research center امریکہ کا ایک مشہور تھنک ٹھینک ہے جو کہ معاشرتی اور سماجی طور پر تحقیقاتی رپورٹس شائع کرتا رہتا ہے۔اس تحقیقی مرکز سے 1997 سے 2007 تک کے عرصے کے دوران گھریلو ماؤں اور ملازمت پیشہ ماؤں سے انٹرویوز کرکے کل وقتی اور جزوقتی ملازمت کے خاندان کے معمولات پر اثرات اور ان کی دلچسپی کا دلچسپی میں خاطرخواہ کمی محسوس ہورہی ہے۔۴۰؎

1997 سے 2007 تک

ماؤں کی کل وقتی ملازمت میں دلچسپی میں کمی
آپ کے لیے کونسی صورت حال پسندیدہ ترین ہے؟
کل وقتی ملازمت، جزوقتی ملازمت یا گھر سے باہر ملازمت نہ کرنا ؟؟

	ملازمت پیشہ مائیں			گھریلو مائیں		
	۱۹۹۷ء %	۲۰۰۷ %	تبدیلی/کمی	۱۹۹۷ء %	۲۰۰۷ %	تبدیلی/کمی
کل وقتی ملازمت	۳۲	۲۱	-۱۱	۲۴	۱۶	-۸
جز وقتی ملازمت	۴۸	۶۰	+۱۲	۳۷	۳۳	-۴
گھریلو	۲۰	۱۹	-۱	۳۹	۴۸	+۹
معلوم نہیں	-	-	-	-	۳	-

اس گراف کے مطابق 1997ء میں ملازمت پیشہ ماؤں کی کل وقتی ملازمت میں دلچسپی کی شرح 32 فیصد ہے۔جبکہ 2007ء میں یہ شرح 21 فیصد ہے۔ان دس سالوں میں کل وقتی ملازمت میں دلچسپی کی شرح میں 11 فیصد کمی ہوئی ہے۔

۳۹۔ یورپی یونین کمیشن رپورٹ، ۲۰۰۷ء

۴۰؎ Paul Taylor, Kary Funk Appril Clork, Fewer Mothers Prefer Full-time Work, Survey Report 1997-2007, Pew Research Center.U.S.A.

ملازمت پیشہ ماؤں کی کل وقتی ملازمت میں دلچسپی میں کمی کی طرف رجحان پایا گیا ہے۔

1997 ء میں جزو وقتی ملازمت میں دلچپسی کی شرح 48 فیصد ہے اور 2007 ء میں یہ شرح 60 فیصد ہے۔ جزو وقتی ملازمت میں ملازمت پیشہ ماؤں کی دلچسپی میں 12 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ ملازمت پیشہ ماؤں نے جزووقتی ملازمت کو کل وقتی ملازمت پر زیادہ پسند کیا ہے۔

ملازمت پیشہ ماؤں کی باہر ملازمت نہ کرنے میں دلچپسی کی شرح 1997ء 20 فیصد اور 2007ء میں 19 فیصد ہے۔ گھریلو ماؤں کی کل وقتی ملازمت میں دلچپسی کی شرح 1997ء میں 24 فیصد ہے۔ جبکہ 2007ء میں کل وقتی ملازمت میں دلچسپی کی شرح 16 فیصد ہے۔ کل وقتی ملازمت میں گھریلو ماؤں کی دلچسپی کی شرح میں 8 فیصد کمی واقع ہوئی ہے۔

جزووقتی ملازمت میں گھریلو ماؤں کی دلچسپی کی شرح 1997ء میں 37 فیصد ہے اور 2007ء میں شرح میں کمی ہو کر 33 فیصد ہوگئی ہے۔ گھریلو ماؤں کی جزووقتی ملازمت کی دلچسپی میں 4 فیصد کمی واقع ہوئی ہے۔

گھریلو ماؤں کی باہر ملازمت نہ کرنے میں دلچسپی کی شرح 39 فیصد ہے جبکہ 2007ء میں یہ شرح 48 فیصد ہوگئی ہے۔ اس گراف سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گھر اور خاندان میں رہنا عورت کی فطرت میں ہے اور اس کی یہ فطری دلچسپی اس مادہ پرست دور میں بھی بڑھ رہی ہے۔ ملازمت پیشہ اور گھریلو ماؤں نے ملازمت کل وقتی اور جزووقتی دونوں میں کم دلچسپی کو ظاہر کیا ہے۔

کام کرنے والی ماؤں کی ترجیحات

2007ء میں 2000 لوگوں پر مشتمل ایک سروے میں، صرف 21 فیصد ماؤں نے جن کے بچے 18 سال سے کم عمر کے تھے یہ کہا کہ ان کے لیے بہترین صورت حال یہ ہے کہ وہ فل ٹائم کام کریں۔ 2007ء میں اس میں کمی آ گئی۔ ۴۱

جن لوگوں نے پارٹ ٹائم کام کرنے کو ترجیح دی ان کا شمار 1997ء سے آج کے دور تک 48.60 فیصد بڑھ گیا۔ (درحقیقت صرف ایک چوتھائی مائیں پارٹ ٹائم کرتی ہیں۔) ۴۲

گھر پر رہنے والی ماؤں کی ترجیحات (1997-2007ء):

1997ء میں تقریباً 4 میں سے ایک نے کہا کہ ہم فل ٹائم کام کو ترجیح دیں گی۔ 2007ء میں صرف 16 فیصد نے اس بات کا جواب دیا۔ ۴۳

تمام ماؤں کی ترجیحات (1997-2007ء):

۲۰۰۷ میں ۱۶ فیصد نے کہا کے ہم فل ٹائم کام کرنا چاہتی ہیں، جبکہ 1997ء میں یہ شرح 31 فیصد تھی۔ ۴۴

باپ کی ترجیحات (2007ء):

۴۱ Cathy Young, The Opt out revolution .NewYork Times 2003, 17 Sep.

۴۲ The Case for staying at home ,Why more young Moms are Opting out of the Rat Race .(Times 22 March 2004)

۴۳ The Year of Domesticity(NewYork Times, Jan, 2006

۴۴ Amelia Warren Tyagi, Why Womens have to Work (Times March 22. 2004)

16 فیصد مرد جن کے چھوٹے بچے تھے انہوں نے Pew poll میں کہا کہ بچوں کے ساتھ گھر میں وقت گزارنا انہیں سب سے زیادہ پسند ہے۔۴۵؎

ماؤں اور کام کے اعداد و شمار:

درحقیقت 72 فیصد مائیں ایسی ہیں جن کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔وہ ساتھ ساتھ ملازمت بھی کرتی ہیں۔ یہ اعداد و شمار 1975ء میں 47 فیصد تک بڑھ گئے اور 1997ء سے لیکر اب تک اپنی جگہ پر قائم ہیں۔ایک اور سروے کے مطابق آدھی سے زیادہ شادی شدہ عورتیں جن کے 18 سال سے کم عمر کے بچے ہیں فل ٹائم کام نہیں کرتیں اور تقریباً آدھی ایسی ہیں جو کوئی کام نہیں کرتیں۔۴۶؎

برسر روزگار عورتیں اور ان کی تعلیم کا تناسب:

1997 میں صرف ۹ فیصد میڈیکل کی ڈگریاں، 7 فیصد Law کی ڈگریاں اور 4 فیصد ایم بی اے کی ڈگریاں عورتوں میں تقسیم کی گئیں۔ 30 سال بعد یہ تناسب بڑھ کر ترتیب کے لحاظ سے 43 فیصد، 47 فیصد اور 41 فیصد ہو گیا۔

صرف 38 فیصد عورتیں ایسی ہیں جنہوں نے 1981، 1985، 1991ء میں ہارورڈ بزنس سکول سے گریجویشن کیا۔ اب وہ فل ٹائم کام کرتی ہیں۔

2003ء میں 'ییل' میں 50 فیصد، برکلے لاء سکول میں 63 فیصد، ہارورڈ میں 46 فیصد، کولمبیا میں 51 فیصد، انڈر گریجویٹ بزنس میجر میں 50 فیصد، ایم بی اے میں 30 فیصد عورتوں نے داخلے لیے۔

لاء کی فرموں میں صرف 16 فیصد پارٹنر عورتیں تھیں۔ 16 فیصد کارپوریٹ آفیسر تھیں۔ 500 میں سے 8 فارچون کمپنیوں میں عورتیں (سی ای او) تھیں۔ 435 میں سے 62 ہاؤس آف ریپریزینٹو کی ممبر عورتیں تھیں اور ۱۰۰ میں ۱۴ سینٹ کی ممبر تھیں۔ایک دہائی کے اندر ان کے بچوں کے تعداد 13 فیصد بڑھ گئی جنہیں ان کی ماؤں نے گھر پر دیکھ بھال کی۔۴۷؎

عورتوں کو کام کیوں کرنا پڑتا ہے؟

ڈیلی ٹائمز میں ایملیہ مارن تیا گی نے اس سوال کے جواب میں کہ ''آج کی ماؤں کو پیسوں کے لیے کیوں اتنی زیادہ دیر دفتر میں اور آفس میں کام کرنا پڑتا ہے؟'' بتایا:

> ہاں یقیناً وہ خواتین جنہوں نے اپنی دادی ماؤں سے مشورہ کر کے کسی ڈاکٹر، کسی لائیر اور کسی ایگزیکٹو کے ساتھ شادی صرف اپنے آپ کو خوش رکھنے کے لیے کی یا پھر اپنے آپ کو افق پر دیکھنے کے لیے 'لیکن بہت سی خواتین کے لیے جو کہ مجھے پسند کرتی تھیں جب 90 سال کی ہوئیں وہ ڈالرز اور سینٹس کی طرف آ گئیں اور اس کا اندازہ کرنا بہت بھیانک ہے۔

70ء کی دہائی سے لے کر اب تک ایک اوسط درجے کے خاندان کے گھر کا بجٹ 69 فیصد سے بھی زیادہ

۴۵؎ The return of Mommys Wars (Reasons Magazine March 2004)

۴۶؎ Dispatches from the Mommys Was.Are Full time working mothers losing the Battle?(Reasons Magazine March 2004.

۴۷؎ Fewer Mothers prefer full time Work.(PEWU Research Centrepoll 1997-2007)

بڑھ گیا ہے۔جب کہ ایک اوسط درجے کے مرد کی کمائی ایک فیصد سے بھی زیادہ کم ہوگئی ہے۔اب اس اونچ نیچ کو کس طرح ٹھیک کیا جاسکتا ہے؟ ظاہری بات ہے، ماں کے پیسوں سے۔

یہ عورتیں اپنے آفس کے لیے پیدل نہیں چلتیں، اس لیے کہ کوئی بالکل نئے میک فیشن کو حاصل کریں۔

درحقیقت ایک اوسط درجے کا خاندان ایسے مکان میں رہتا ہے جس میں کسی بھی شخص کے ماں باپ پل کر جوان ہوئے ہوں۔ایک اوسط درجے کا جوڑا اپنے چھوٹے بچوں کے ساتھ 127,000 ڈالرز سے زیادہ ایک گھر پر خرچ کرتا ہے، جو کہ 20 سالوں کے اندر اندر 720,000 ڈالرز سے تجاوز کر گیا ہے۔

اس کے علاوہ ایک پری سکول ہوتا ہے جو زیادہ تر ایلیمنٹری سکول کے لیے بنیادی شرط ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ جو مائیں یہ چاہتی ہیں کہ ان کا بچہ ابتدائی تعلیم ضرور حاصل کرے،جس طرح ماہرین تعلیم کہتے ہیں، اس کے لیے بہت سے پیسوں کی ضرورت ہے۔ایک فل ٹائم پری سکول پروگرام پر تقریباً سالانہ 5,000 ہزار ڈالرز کی لاگت آتی ہے۔اس کے علاوہ ،ریاستی یونیورسٹیوں میں ایک سال کی ٹیوشن اوراس میں انشورنس کی رقم بھی شامل کریں اور اس کے علاوہ وہ رقم بھی جو ایک بچے کو کالج میں داخلے کے وقت دینی ہوتی ہے۔جس میں وقت کے ساتھ ساتھ دوگنا اضافہ ہوا ہے اور زیادہ تر مڈل کلاس عورتوں کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے وہ کوئی نہ کوئی نوکری کریں۔ یہ واضح رہے کہ بہت ساری مائیں گھر پر رہنے کے لیے کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیتی ہیں لیکن صرف چند سالوں کے لیے۔ بہت ساری ایسی بھی ہیں کہ قیمتیں بہت زیادہ ہیں اس لیے گھر پر رہنا ہی ٹھیک ہے۔۴۸

خواتین اور مردوں میں جنسی امتیاز

یورپ میں خودمختار زندگی اور خاندان سے الگ رہنے کے رجحان کے نتیجے میں عورتوں میں غربت کا تناسب مردوں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔اس وقت ۱۹ فیصد مردوں کے مقابلے میں ۲۱ فیصد خواتین غربت کی نچلی سطح پر زندگی گزار رہی ہیں۔مغربی معاشرے میں مساوی حیثیت کے دعویٰ میں تضاد کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ملازمت پیشہ خواتین کو مردوں کے مقابلے میں فی گھنٹہ ۱۵ فیصد کم اجرت پر ملازمتیں فراہم کی جاتی ہیں(یہ اعداد وشمار ۲۰۰۶ء کے ہیں) جبکہ مجموعی طور پر سال بھر میں خواتین مردوں کے مقابلے میں ۲۵ فیصد کم تنخواہ پر کام کر رہی ہیں۔اسی طرح خواتین کو مردوں کے مقابلے میں ملازمت کے مواقع کم فراہم کیے جاتے ہیں۔اگر ہر ۱۰۰ میں سے ۷۲ مردوں کو ملازمتیں حاصل ہیں تو اس کے مقابلے میں خواتین میں یہ تناسب 7.5 رہی۔۲۰۰۱ء سے ۲۰۰۷ء کے دوران خواتین کو مستقل کی بجائے عارضی طور پر ملازمت دینے کے رجحان میں اضافہ ہوا ہے۔اوراس کی شرح ۴۱ فیصد سے بڑھ کر ۴۶ فیصد ہوگئی ،جبکہ مردوں میں یہ تناسب صرف بیس فیصد کے قریب رہا۔تقریباً ۶۳ فیصد یورپی خواتین اپنے بچوں کے اخراجات خود اٹھانے پر مجبور ہیں۔۴۹

---

۴۸ Emilia marn Tiagi (Monday.March.22-2004.Times)

۴۹۔ یورپی یونین کمیشن رپورٹ، ۲۰۰۷ء

ان چند اعداد و شمار سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یورپ میں خواتین کو مساوی حیثیت دینے کے دعوے میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔

مغربی معاشرہ ایک ایسی بند گلی میں پہنچ چکا ہے کہ جہاں مذہب کی طرف واپسی کے علاوہ تمام بند راستے ان کا منہ چڑا رہے ہیں اور دیکھنا یہ ہے کہ آخر کب تک مغربی معاشرے کے افراد سپاٹ دیواروں سے ٹکراتے اور بے بسی اپنی تباہی کا تماشا دیکھتے ہیں۔[۵۰]

انیسویں صدی کے آخری ربع میں خواتین کے حقوق کے نام پر اٹھنے والی تحریکیں یورپ کو اس مقام تک لے جائیں گی کہ پوری تہذیب بقا کے خطرے سے دوچار ہو جائے گی۔ اگرچہ آغاز کار میں ان تحریکوں کے اولین مطالبات مرد وزن کے درمیان سیاسی، سماجی اور معاشی مساوات کے دل فریب اور پرکشش نعروں پر مشتمل تھے لیکن رفتہ رفتہ اس تحریک نے نہ صرف عورت اور مرد کے سماجی بندھن کو نشانہ بنایا بلکہ ہر قسم کی خاندانی مذہبی، اور سماجی پابندیوں پر بھی قدغن لائی۔ آزاد خیال اور عقلیت پرست سائنسدانوں اور مفکرین کی علی الاعلان حمایت اور مذہبی حلقے کی درماندگی، کم مائیگی اور بے بصیرتی کے باعث یہ جھاڑیاں پھلتی پھولتی زہر ہلاہل بن کر انسانیت کی رگوں میں دوڑنے لگی۔ انڈسٹریل ڈویلپمنٹ کی ضروریات نے ان نو خیز نظریات کو پنپنے میں مہمیز کا کام کیا اور مرد وزن کے آزادانہ اختلاط کی راہ ہموار کی۔

جذباتیت پر مبنی لٹریچر اور اقتدار کی حمایت نے مرد و زن کی مساوات پر مبنی نعروں اور مطالبوں میں وہ دلکشی پیدا کی کہ بالآخر مغربی عورت نے تمام سماجی اور خاندانی بندھن توڑ کر سرمایہ پرست مغربی معاشرے کی بھوک مٹانے کے لیے گھر کی دہلیز سے باہر قدم نکال لیا۔ یوں ایک ایسے معاشرتی انحطاط کا آغاز ہوا جس کی بنیادیں تاحال مزید گہری ہو رہی ہیں۔

ماں کی ممتا بمقابلہ آزادی نسواں

امریکن ٹی وی کا ایک مقبول پروگرام 'اوپرا' دیکھتے ہوئے مجھے یہ لگا کہ امریکہ کی آزاد خیال عورتیں ابھی تک اپنے ذریعہ معاش اور ماں بننے کی جبلت کے درمیان پھنسی ہوئی ہیں۔

حیران کن طور پر کچھ ماؤں کو اپنے بچوں کے ساتھ وقت گزارنے کے لیے روتے ہوئے دیکھا اور ان خواتین کو جنہوں نے اپنے پیشے کو خیر آباد کہہ دیا۔ یہ باتیں آنکھیں کھول دینے والی تھیں اور یہ انکشاف ہوا کہ آزاد امریکی عورتیں اس معاملے میں کتنا تذبذب کا شکار ہیں کہ جو بنیادیں انہوں نے اپنے معاشرے کو بنانے کے لیے رکھی تھیں، اس معاملے سے قطع نظر کہ حکومت نے ماؤں کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کافی کوششیں کیں کہ وہ کام پر آئیں لیکن گذرے ہوئے سالوں میں اس معاملے میں کوئی کمی آتے ہوئے نہیں دیکھی گئی ہے۔ زیادہ تر جوڑوں میں مائیں ہیں جو اپنے ذریعہ معاش سے کنارہ کشی اختیار کر گئیں اور وہ جو ایسا کرنا چاہتیں ہیں۔ اس طرح کے رجحانات نے مجھے کافی محظوظ کیا کیونکہ میں ان مغربی آزاد خیال کو خطرے میں پڑتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ جیسا کہ زیادہ تر لوگ عورت کو روایتی کردار میں دیکھنا چاہتے تھے کہ وہ اس کے ساتھ ساتھ گھریلو ذمہ داریاں بھی پوری طرح سے نبھائے۔ عورت اور مرد کی برابری کے سلسلے میں ایک صدی کے ذہنوں کی صفائی

۵۰۔ مسعود احمد مجاہد، یورپ تباہی کے دہانے پر، ماہنامہ ہم قدم، لاہور، ص ۱۹

کے بعد صرف کہنے کو تنگ نظر عورتوں کو اس بات پر لے کر آسکتی تھی کہ وہ اپنے بچوں کے بارے میں احساس کمتری کا شکار نہ ہوں، جیسا کہ معاشرہ کی ایک مکمل طور پر ٹھیک ماں ہونے کی سوچ حقیقت سے قریب نہیں تھی۔ اب جو مطالعہ سامنے آرہا ہے وہ کسی اور بات کا تقاضا کر رہا ہے۔ زیادہ سے زیادہ مطالعہ اور سروے کا کام کرنے والی ماؤں کے بچوں کی کم عملی سے وابستہ ہیں۔[۵۱]

نیویارک ٹائمز میں ایک آرٹیکل شائع ہوا تھا۔ اس کا نام Study links mothers to slower learning تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ جلد نوکری شروع کر دینا اُن کے بچوں کی ذہنی نشو ونما پر غلط اثرات مرتب کرتا ہے۔ اس آرٹیکل میں یہ لکھا گیا تھا کہ جو بچے زیادہ تر وقت ڈے کیئر سنٹرز میں گزارتے ہیں وہ غصیلے ہو جاتے ہیں اور ان کی طبیعت میں بہت ساری کمی رہ جاتی ہے۔ جسے صرف اس کی ماں ہی پوری کر سکتی ہے اور کوئی نہیں۔[۵۲]

اس رپورٹ کے مطابق پورا دن ملازمت کرنے والی ماؤں کے بچے سکول میں بہت خراب نتائج کے حامل ہیں۔ ایک ریسرچ کے مطابق: جلدی گھر آجانے والی ماؤں کے بچے کے اے لیول پاس کرنے کے چانسز ۶۰/۵۰ فیصد تک بڑھ جاتے ہیں۔ باپ کی ملازمت اس معاملے میں کم اثر انداز ہوتی ہے۔[۵۳]

یہ تحقیق ۱۹۷۰ میں پیدا ہونے والے لوگوں کی زندگی اور ان کے تعلیمی کیریئر کے دوران ہونے والی ترقی پر مشتمل ہے۔ یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ کم قابلیت اُن بچوں میں پائی گئی جن کی مائیں بچے کے پانچ سال تک کا ہونے سے پہلے ہی ملازمت میں چلی گئیں۔ فُل ٹائم کام کرنے والی ماؤں کے بچوں میں نفسیاتی امراض بھی زیادہ دیکھنے میں آئے۔ اس رپورٹ سے یہ بات ثابت کی گئی کہ وہ بچے جن کا وقت اپنے والدین کے ساتھ کم گزرتا ہے وہ نالائق ہوتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ آرٹیکلز اور ریسرچ یہ ظاہر کرتی ہیں کہ ماڈرن عورت کو اپنی پسند کا اختیار دیا جائے تو اپنے ذریعہ معاش سے زیادہ عورت اپنے بچوں، خاندان اور ذاتی زندگی کو زیادہ ترجیح دے گی۔

تشدد اور خواتین کی زندگی پر اس کا اثر

عورتوں کی خلاف تشدد کئی شکلوں میں موجود ہے جو کہ صرف گھریلوں تشدد تک محدود نہیں ہے بلکہ اس میں خوفزدہ کرنا، بے حرمتی کرنا، عورتوں اور بچوں کو کام کی جگہ پر ہراساں کرنا، زبانی گالم گلوچ کرنا اور نفرت کی نظر تک دیکھنا شامل ہے۔ اس سلسلے میں جو حقائق اور اعداد وشمار اکٹھے کیے گئے ہیں۔ ظاہر کرتے ہیں کہ تشدد ایک ایسا رویہ ہے جسے فوری طور پر ختم نہیں کیا جاسکتا۔ تمام عورتیں کسی امتیاز کے بغیر کسی بھی طبقے، قابلیت، عمر، نسل، عقیدہ، تعلیم، شکل وصورت اور رنگ تشدد کا شکار ہوتی ہیں۔

گھریلو تشدد

گھریلو تشدد بنیادی طور پر عورتوں کے خلاف تشدد کی ایک قسم ہے مگر مرد بھی اس کا شکار ہوتے ہیں۔ National

---

۵۱ Faiqa Salman, Mother-hood vs-60s Feminism مراسلہ بنام سمیحہ راحیل قاضی
۵۲ Tamar Lewin,Study Links Working Mothers Slower Learing, New York Time, July-17,2002
۵۳ Ibid

Crime Victimization ۵۴؎ کے اعداد وشمار کے مطابق ۶ لاکھ ۹۱ ہزار ۷ سو دس تشدد کے واقعات موجودہ یا سابقہ شوہر کی طرف ہوتے ہیں۔ ۲۰۰۱ء میں تقریباً پانچ لاکھ ۸۸ ہزار ۴ سو نوے عورتوں پر گھریلو تشدد کی شرح سفید فام عورتوں کی شرح سے زیادہ ہے۔ گھریلو تشدد کے ایک ہزار میں سے ۲۹ ہزار واقعات سیاہ فام عورتوں کے اور ایک ہزار میں سے ۲۰ واقعات سفید فام عورتوں کے ہوتے ہیں۔

National Violence Against Women Survey ۵۵؎ کے مطابق لاطینی عورتوں پر جسمانی تشدد کے ایک رپورٹ کے مطابق ۷.۹ فیصد لاطینی عورتیں زیادتی کا شکار، ۲۱.۲ فیصد عورتیں جسمانی تشدد کا شکار اور ۴.۸ فیصد عورتیں شوہر کے تشدد کا شکار ہوتی ہیں۔ یہ عورتیں اپنے موجودہ اور سابقہ بوائے فرینڈز کے ہاتھوں تمام زندگی خوفزدگی کا شکار رہتی ہیں ان میں اس تشدد کے واقعات کو رپورٹ کرنے کی شرح سفید فام عورتوں سے ۲.۲ فیصد زیادہ ہے۔

آبروریزی اور جنسی امراض

یورپ میں جنسی تعلقات کی مکمل آزادی کے باوجود عصمت دری کے واقعات کی شرح بہت زیادہ ہے۔ صرف برطانیہ میں ہی سالانہ ۵۰ ہزار کے قریب خواتین کی عصمت دری کی جاتی ہے جن میں سے صرف چھ فیصد ملزمان کو ہی سزا دی جاتی ہے۔ جبکہ ۱۶ سال یا اس سے بھی کم عمر لڑکیوں کی بڑی تعداد کو ان کے ساتھ طالب علم، اساتذہ یا رشتے داروں کی طرف سے جنسی زیادتی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح یورپ کے چند ممالک جیسے فن لینڈ میں ۲۵ فیصد، ہالینڈ میں ۳۰ فیصد کے قریب، سویڈن میں ۴۹ فیصد اور برطانیہ میں ۲۵ فیصد غرض پورے یورپ میں ۳۰ فیصد خواتین کو اپنی پوری زندگی میں کم از کم ایک دفعہ جنسی زیادتی کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ یورپ میں عورتوں پر تشدد اور جنسی زیادتی کے بعد علاج معالجے اور مقدمات میں سالانہ ۵۰/ارب ڈالر خرچ کر دیے جاتے ہیں۔ ۵۶؎

اسی طرح یورپ خاص طور پر مشرقی یورپ میں ہر سال دس لاکھ معصوم بچے جن میں بڑی تعداد لڑکیوں پر مشتمل ہوتی ہے کو جنسی مقاصد کے لیے فروخت کیا جاتا ہے۔

اسی طرح زنا کی مکمل آزادی کی وجہ سے ۲۰۰۴ء میں یورپ کی ۳۴ فیصد خواتین ایڈز یا دیگر موذی جنسی امراض میں مبتلا تھیں۔ فی الحال تازہ اعداد وشمار تو دستیاب نہیں لیکن ادارہ صحت کے اندازے کے مطابق اس شرح میں ۸ سے ۱۰ فیصد اضافہ ممکن ہے۔ ۵۷؎

US DEPT OF JUSTICE اور FBI کی رپورٹ

☆ امریکہ میں ہر اڑھائی منٹ کے بعد ایک عورت کو زیادتی (RAPE) کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ (US DEPT OF

۵۴؎ National Crime Victimization Survey. Bureau of Justice 2003.

۵۵؎ National Violence Against Women Survey Lahnas.

۵۶۔ عالمی ادارہ صحت

۵۷؎ elseberg, M and Heise, L., Regearching Voilence Against Women a Practical Guide for Researchers and Activists (Washington D.C. Who Path, 2005)

(JUSTICE 2003)ان میں بارہ سال سے اوپر کی عورتیں اور بچیاں ہیں۔

☆ ۱۹۹۶ء میں ۳۰۷،۰۰۰ عورتیں زیادتی(Rape, Attempted Rape, Sexual assault) کا شکار ہوئیں۔
جبکہ ۱۹۹۵ء-۱۹۹۶ء کے درمیان ۶۷۰،۰۰۰ عورتیں زیادتی کا شکار ہوئیں۔۵۸؎

☆ جبکہ ۱۹۹۶ء میں صرف ۳۱ فیصد کی رپورٹ کی گئی یعنی ہر تین میں سے ایک سے بھی کم رپورٹ ہو۔۵۹؎

☆ ۷۴ فیصد زیادتی کی شکار جانتی ہیں کہ انہیں کس نے ریپ کیا۔۶۰؎

مندرجہ ذیل اعداد و شمار 1995-2003 National Crime Survey, USA Dep of Justice تک کے ہیں۔

☆ ہر پانچ میں سے ایک ریپ پبلک جگہ یا پارکنگ میں ہوتا ہے۔

☆ ۵۵ فیصد زیادتی کرنے والے Repists شراب یا کسی دوسرے نشے میں ہوتے ہیں۔

☆ ۴۱ فیصد زیادتی کے شکاروں کو ہسپتال کی ضرورت پڑتی ہے۔

☆ Rape Victim عورتوں میں ۹۶ فیصد بارہ سال سے کم عمر بچیوں کی ہے۔۶۱؎

☆ (Child Abuse) بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کرنے والے اوسطاً ۱۱۷ بچوں کو نشانہ بناتے ہیں۔۶۲؎

امریکہ میں عورتوں پر جنسی تشدد

RAINN (Rape, Abuse and Incest National Network) جو کہ عورت پر تشدد کے اعداد و شمار اکٹھا کرنے کا امریکہ کا قومی ادارہ ہے، اس نے قومی شماریات ۶۳؎ کے عنوان سے درج ذیل اعداد و شمار جاری کیے ہیں:

حالیہ اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ امریکہ میں جنسی تشدد اور زیادتی کے واقعات پورے معاشرے میں زہر کی طرح سرایت کر چکے ہیں۔

☆ امریکہ میں ہر آدھے منٹ میں دو عورتیں جنسی تشدد کا شکار ہوتی ہے۔۶۴؎

☆ ۱۹۹۶ء میں ۳ لاکھ ۷ ہزار عورتیں جنسی زیادتی کا شکار ہوئیں۔ اصل تعداد اس سے بھی زیادہ ہوسکتی ہے۔۶۵؎

☆ ۱۹۹۵ء اور ۱۹۹۶ء کے درمیان تقریباً چھ لاکھ ستر ہزار عورتیں زیادتی کا شکار ہوئیں۔۶۶؎

۵۸؎ National Crime Victimization Survey, Bureau of Justice Statistics USA Dept of Justice 1997

۵۹؎ Bureau of justice Statisstics 1997

۶۰؎ Voilent Victimisation of Collage Students 2003

۶۱؎ USA Dept of Justice 1992

۶۲؎ National Institute of Mentel Health, 1995-2003, National Crime Survey, USA Deptt. of Justice.

۶۳؎ National Statistics: Reported by RAINN US Department of Justice.

۶۴؎ US department o f Justice 2003.

۶۵؎ National Crime Victimization survey. Bureau of Justice statistics, US Department of Justice, 1997.

۶۶؎ National Crime Victimization Survey. Bureau of Justice Statistics, US Department of Justice, 1997.

جنسی جرائم کی بہت سی وجوہات میں سے ایک وجہ ان کا رپورٹ نہ ہونا ہے۔عورتوں کی طرف سے ان جرائم کو رپورٹ نہ کرنے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ ان کا ذاتی مسئلہ ہے۔انہیں مجرم کی طرف سے ہراساں کرنے کا خوف ہوتا ہے۔

☆ قانون نافذ کرنے والے اداروں کی طرف سے ۱۹۹۶ء میں یہ رپورٹ پیش کیا گیا کہ صرف ۳۱ فیصد واقعات رپورٹ ہوتے ہیں، یعنی ہر تین میں سے صرف ایک واقعہ۔ ۶۷

☆ تقریباً ۷۴ فیصد زیادتی کا شکار ہونے والی عورتیں مجرم کو جانتی ہیں۔ ۶۸

☆ تقریباً ۱۴ فیصد اپنے بہت ہی قریبی ساتھی، ۵۰ فیصد اپنے واقف کاروں اور ۷ فیصد اپنے قریبی رشتہ داروں کی زیادتی کا شکار ہوتی ہیں۔ ۶۹

خوف کی زندگی

امریکہ کے ادارے انصاف کے اعداد و شمار کے مطابق: ۷۰

☆ ہر پانچ میں سے ایک زیادتی عوامی جگہوں یا پارکوں میں ہوتی ہیں۔

☆ ۲۹ فیصد متاثرہ خواتین کی رپورٹ کے مطابق مجرم اجنبی ہوتے ہیں۔

☆ ۵۹ فیصد زیادتی کے واقعات شام چھ بجے سے صبح چھ بجے کے درمیان ہوتے ہیں۔

☆ ۵۵ فیصد مجرم نشے کی حالت میں ہوتے ہیں۔

☆ ۱۶ فیصد زیادتی کے واقعات میں مجرم اسلحہ استعمال کرتا ہے۔

☆ ہسپتالوں کے شعبہ حادثات میں ۳۳ فیصد عورتیں زیادتی کا شکار ہوتی ہیں۔ ۷۱

---

۶۷ National Crime Victimization survey. Bureau of Justice statistics, U.S Dept: of Justice 1997.

۶۸ Violent Victimization of College students 2003.

۶۹ National Crime Victimization Survey, Bureau of Justice statistics. 2003

۷۰ National Crime Victimization survey. Bureau of Justice statistics, U.S Dept: of Justice 2003,1995

۷۱ National Crime Victimization Survey, Bureau of Justice Statistics, U.S Department of Justice, 1997, 2003.